دوامِ حدیث

حضرت مولانا حافظ محمدؒ گوندلوی

تفاوتِ قراأت کی صورتیں

۱- بعض تو وہی ہیں جن کو قراأت سبعہ (سات) یا عشرہ (دس) کہتے ہیں۔

۲- جو اجازت کی بنا پر مختلف لغات میں ضرورت کے لیے پڑھی گئیں جن کی بنا پر اختلاف واقعہ ہوا، بعد میں صحابہ نے ان کی بندش کر دی۔ وہ الفاظ نازل شدہ نہیں تھے صرف ان کے پڑھنے کی اجازت نازل ہوئی تھی۔ یہ حقیقت میں روایت بالمعنی کی شکل تھی۔

۳- بعض قراأت وہ ہیں جو بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا پڑھا۔ مگر رسم مصحفِ عثمانی میں ان کے پڑھنے کی گنجائش نہیں اور تواتر کو نہیں پہنچیں اس لیے ایسی قراأت کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ راوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا مگر اس کو قرآن سمجھنا غلط ہے کیونکہ قرآن اصل میں وہی ہے جو رسم عثمانی کے موافق ہو اور اس کا ثبوت صحیح سند سے ہو اور نحو کے قواعد کے مطابق ہو جو ان شرائط پر پورا نہ اترے وہ قرآن نہیں۔

۴- بعض قراأت اس قسم کی بھی ہیں جو بعض پڑھنے والوں کی غلطیاں ہیں کیونکہ ان میں شرائط مذکورہ نہیں پائے جاتے۔ ان احتمالات کی بنا پر قرآن غیر محفوظ نہیں رہتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ قرآن غلطی کرتا ہے اور کاتب سے غلطیاں ہوتی ہیں مگر وہ اغلاط قرآن نہیں بن جاتے بلکہ وہ اغلاط ہی تصور کی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطبوعہ نسخے ایسے ہیں جن میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں وہ محض کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مگر ان کی تصحیح کی صورت نکل سکتی ہے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو قواعد سے تائید حاصل نہیں ہوتی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کو حفاظ بالاتفاق غلط قرار دیتے ہیں مگر بعض نسخوں میں فتحہ وضمہ کا اختلاف قراأت کے اختلاف پر محمول ہوتا ہے جیسے سورہ روم کے آخری رکوع کی

پہلی آیت میں ضعف میں ضاد پر ضمہ اور فتحہ کا اختلاف پایا جاتا ہے بلحاظ نقل دونوں برابر ہیں اگرچہ ہمارے ہاں ضمہ ہی زیادہ مشہور ہے۔

اب سے اختلاف قرأت کی دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں:

ایک پہلی صورت جواب بھی موجود ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اس کا انکار ایک بدیہی چیز کا انکار ہے۔

دوسری صورت وہ ہے جو روایت بالمعنی کی صورت ہے۔ یہ ایک جائز امر تھا جیسے قرآن کو دوسری زبان میں افہام وتفہیم کے لیے نقل کر سکتے ہیں مگر اس ترجمہ کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ اس کے پڑھنے سے قرآن کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو عربی لوگ دوسری لغات میں کسی کسی لفظ کو ادا کر لیا کرتے تھے اور باقی الفاظ جوں کے توں پڑھتے تھے ان کا اس طرح پڑھنا قرآن ہی کا پڑھنا تھا۔ دنیا کا کوئی صاحب دماغ اس بات کو باور نہیں کرتا کہ کسی کلام کا مطلب اگر دوسری زبان میں یا اس کلام میں ادا کیا جائے تو وہ تحریف ہو جاتی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ دوسری زبان میں قرآن کے ترجمہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ افہام وتفہیم کے لیے قرآنی مطالب کو دوسری زبان میں ادا کیا جائے تو جائز ہے مگر اس کو ترجمہ اس معنے سے نہیں کہہ سکتے کہ قرآنی مطالب سارے کے سارے اس میں ادا ہو گئے۔ اگر کوئی یہ سمجھے تو اس کی غلطی ہے مگر ترجمہ میں چونکہ مترجم کے فہم کو بھی دخل ہوتا ہے اس لیے اگر اصل عربی قرآن نہ ہو تو تحریف کی گنجائش نکل آتی ہے مگر قرآن چونکہ عربی میں موجود ہے اس لیے ان تراجم سے تحریف کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

ایک عیسائی نے کتاب المصاحف مصنفہ ابن ابی داؤد سے قرآن کے ان نسخوں سے جو روایت بالمعنی کی بنا پر لکھے گئے ہیں بعض مختلف کلمات نقل کیے ہیں جو حلال و حرام میں مختلف نہیں۔ اس نے اپنی جگہ قرآن میں تحریف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور منکرین حدیث بھی اپنی خفت مٹانے کے لیے اس اعتراض کا ذمہ دار بھی حدیثوں کو ٹھہرانے لگے ہیں۔ عیسائی تو ایک حد تک معذور ہیں کیوں کہ وہ دراصل مسلمانوں کے اس اعتراض میں لب کشائی کر رہے ہیں کہ "اناجیل محرف ہیں۔" اب پھر اس میں تحریف

موجود ہی ہے۔ موجودہ اناجیل سے بعض آیات نکال دی گئی ہیں حالانکہ یہ آیات سابقہ مطبوعہ انجیلوں میں بدستور موجود ہیں کیونکہ اناجیل کا نہ اصل نسخہ موجود ہے نہ اس کی نقل یا نقل در نقل جن سے تراجم کی اغلاط معلوم ہو سکیں جو مترجمین نے اپنے فہم کے مطابق کیے ہیں۔ کیونکہ عیسائی اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ موجودہ اناجیل کس زبان میں لکھی گئیں۔ یونانی میں، عبرانی میں کیونکہ یونانی زبان کا پرانا سے پرانا نسخہ عبرانی کی نقل معلوم ہوتا ہے اور عبرانی کا پرانے سے پرانا نسخہ یونانی سے نقل معلوم ہوتا ہے پھر اناجیل میں واقعات کی کوئی سند بھی نہیں نہ متواتر، نہ خبرِ واحد بلکہ اناجیل کے مصنفین تک بھی حد تواتر تک نہیں پہنچیں۔

پس جس عیسائی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مختلف مصاحف کا اختلاف اناجیل کے اختلاف کی طرح ہے وہ احمقوں کی دنیا میں رہتا ہے مگر اس کو یہ معلوم ہے کہ میں جس دنیا میں ہوں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے وسوسے کو دنیا میں قبول کرنے کے لیے اور احمق بھی مل گئے۔

چنانچہ جب ہم نے "مقام حدیث" میں دیکھا کہ منکرین حدیث بھی اس وسوسے سے متاثر ہو کر اس اعتراض کو معقول سمجھ کر اس کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرا کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں (تو اس عیسائی کے خیال (کہ میں اکیلا احمق نہیں الخ) کی تصدیق پائی۔

بھلا وہ اختلاف جو کمی بیشی کا ہو جیسا کہ اناجیل میں ہے اور وہ اختلاف جو لغت کے اعتبار سے ہو جیسا کہ مختلف قرأتوں یا مختلف مصاحف میں ہے کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ اگر سب اختلافات برابر ہوں تو تراجم کو تحریف ہی کہنا چاہیئے۔ منکرین حدیث عیسائی کے اس اعتراض سے بہت خوش ہو رہے ہیں کہ یہ اعتراض روایت کی بنا پر ہے

———— ہم چونکہ روایت کے قائل نہیں اس لیے یہ اعتراض ہم پر وارد نہیں ہوتا اور یہ نہیں سمجھے کہ روایت کے حجت ہونے کے انکار سے روایت کے لوازمات سے انکار لازم نہیں ہوتا کسی روایت کے رد کرنے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم اس کو دینی حجت نہیں مانتے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے انسان دشمن کے وار سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ اس قسم کے لایعنی انکار سے دشمن زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ اس کو اس امر سے بحث نہیں کہ تم مانتے ہو یا نہیں وہ تو علمی حلقہ میں پہچان پیدا کرنے کے درپے ہے۔ اگر آپ لوگ عیسائی مصنف کو تحقیقی جواب دینا چاہتے ہیں تو اس کی صورت آپ کے خیال کے مطابق یوں ہونی چاہیے کہ روایات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بعض سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹی ہو۔ ان روایات کا جھوٹا

ہونا ہی صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید ایک ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہے۔ کوئی دوسرا کلام اس سے مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان نسخوں کے جعلی ہونے کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ:

"جو نسخہ قرآن مجید کا ہمارے پاس ہے اس کے الفاظ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اور باقی نسخے جو اس کے علاوہ ہیں ان کے الفاظ اس قدر گرے ہوئے ہیں کہ ان کو اس نسخہ کے الفاظ کے مترادف بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

یہ تھا اصل جواب مگر یہ جواب اس وقت درست ہوتا جب کہ یہ ثابت ہو جاتا کہ قرآنی الفاظ اور ان نسخوں کے مخالف الفاظ میں اس قدر فرق ہے کہ ایک تو معجزہ بن جائے اور دوسرے نسخے معجزہ کی حد کو نہ پہنچیں مگر اس کے لیے علم کی ضرورت ہے اور یہ لوگ علمی نقصان کو جذبات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اعتراض سے بچنے کے لیے انکار ہی کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ یہ کوئی تحقیق نہیں ہے بلکہ تلبیس ہے۔

قرآن مجید کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باقاعدہ ایک مصحف میں لکھا جانا اگرچہ ثابت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید خود لکھایا تھا وہ باقاعدہ ایک مصحف میں نہیں لکھایا گیا تھا بلکہ منتشر اجزا میں لکھایا گیا تھا۔ یہ لوگ تحقیق کی صورت میں نہیں بلکہ جذباتی رنگ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ:

"قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو آپ کے پاس لکھا ہوا تھا وہ مجموعہ شیرازہ بند اوراق میں لکھا ہوا تھا بلکہ آپ نے خود ہی لکھا تھا۔"

ان کی ایک انوکھی دلیل سنیے کہ:

"قرآن مجید کو جا بجا کتاب کہا گیا ہے اور کتاب شیرازہ بند اوراق میں لکھے ہوئے مضمون کو کہتے ہیں لہٰذا قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شیرازہ بند اوراق میں لکھا ہوا تھا کیوں کہ کتاب کے مفہوم میں چند چیزوں کو ملا کر مجتمع کر دینا ضروری ہے۔"[1]

یہ ہے استدلال مگر یہ نہیں سوچا کہ اس دلیل سے لازم آئے گا کہ جب اللہ نے لفظ کتاب کہا اور جبرائیل نے سنایا یا جبرائیل نے کتاب کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو اس وقت بھی

---

[1] مقام حدیث۔ ج ۲، ص ۲۲۵

قرآن کسی کاغذ میں لکھا ہونا چاہیے تھا بلکہ ایسے اوراق میں لکھا ہوا ہونا چاہیے تھا جن کی شیرازہ بندی کی گئی ہو۔ حالانکہ یہ بات بالاتفاق باطل ہے کیونکہ قرآن مجید لکھا ہوا نازل نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ [1]

کہ اگر ہم کاغذ میں (لکھ کر) کتاب اتارتے اور یہ (کافر) اس کو ہاتھ سے چھو تے تو ضرور کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے اطلاق کے لیے لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں۔ نہ قرآن لکھا ہوا اتارا گیا مگر تھا کتاب ہی۔ یا تو اس لیے کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یا اس لیے کہ آئندہ لکھا جانے والا ہے یا اس لیے کہ کتاب احکام اور فرائض کو بھی کہتے ہیں اور قرآن مجموعۂ احکام و فرائض ہے قاموس میں کتاب کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا والفرض والحکم [2] کہ کتاب فرض اور حکم کو بھی کہتے ہیں۔

یہ لوگ احادیث پر کبھی یہ بھی الزام و اعتراض کرتے ہیں کہ:

"حدیثیں روایت بالمعنی ہیں اس لیے ان میں تبدیلی ہوگی۔"

حالانکہ وہ روایات جو دینی حیثیت رکھتی ہیں وہ بہت سی روایت باللفظ ہیں۔ اگر کوئی روایت بالمعنی بھی ہے تو اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا کیونکہ صحابہ کرام اس قسم کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں مطلب میں خلل واقع نہ ہو جائے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک حدیث بیان کی جس میں یہ ذکر تھا کہ لوگ مدینہ کو اچھی حالت میں چھوڑ دیں گے یعنی جب مدینہ کو چھوڑ دیں گے تو مدینہ آباد ہوگا مگر اس مطلب کو حضرت ابوہریرہؓ نے ان الفاظ میں نقل کیا،

یترکون المدینۃ علی خیر ما کانت الخ (مدینہ کو لوگ چھوڑ دیں گے اور اس وقت مدینہ کی بہتر حالت ہوگی۔)

عبداللہ بن عمر نے ابوہریرہؓ پر اس لفظ کا انکار کیا اور کہا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا:

---

[1] انعام ع ۱ ص ۱۲۱

اعمر ما کانت) کہ مدینہ کو جب چھوڑیں گے تو اس وقت بہت زیادہ آباد ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ یہ فرماتے کہ جب مدینہ چھوڑیں گے تو اس وقت مدینہ بہترین حالت پر ہوگا" تو لازم آتا ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو کیونکہ وہی زمانہ بہترین ہو سکتا ہے۔"

تو حضرت ابوہریرہ کو بات یاد آگئی اور فرمانے لگے:

"صدقت والذی نفسی بیدہ کہ تو نے سچ کہا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے"[1]

یہ روایت بالمعنی کی اصلاح تھی اگرچہ حضرت ابوہریرہ کے لفظ کا مطلب درست ہو سکتا تھا کہ بہترین حالت سے دنیوی حالت لی جائے مگر لفظ چونکہ عام تھے اس لیے احتمال تھا کہ دینی اور دنیوی دونوں حالتیں مراد لی جائیں اور مطلب بگڑ جائے اس لیے اصلاح کر دی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا بہت خیال کیا کرتے تھے۔ اگر کسی سے غلطی ہوتی تو اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ روایت بالمعنی کا جواز قرآن سے بھی ثابت ہے۔

قادیانی قول و فعل

یہ کتاب مسلمانوں کے شہرہ آفاق مصنف پروفیسر محمد الیاس برنی کی تالیف ہے جو قادیانیت کے خلاف سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ کتاب بذات خود قادیانیات کی ایک مختصر مگر مکمل قاموس اور دلائل و شواہد کے قابل قدر ذخیرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تیس برس طویل مدت کے بعد اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی سعادت "ادارہ ترجمان السنہ" کے حصہ میں آئی جس نے اسے کتابت و طباعت کے عمدہ معیار پر پیش کیا ہے۔ صفحات ۳۰۰ خوبصورت جلد، دیدہ زیب گردپوش۔ سفید کاغذ قیمت ۷/- روپے۔ سستا ایڈیشن ۵/- روپے۔

ادارہ ترجمان السنہ ۷۔ ایبک روڈ۔ انار کلی لاہور

---

[1] فتح الباری ج ۷